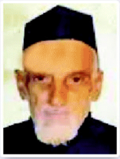

محمد داؤد

شیروانی

افسانہ

> ماں بہت دیر تک اپنے بیٹے کو سینے سے لگائے رہی۔ محبوب صاحب سے وہ بڑی مشکل سے کہہ سکی، 'بیٹھ جائیے۔' اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔ وہ بیٹے کے کبھی سر پر ہاتھ پھیر رہی تھی اور کبھی شیروانی پر۔

محسن صاحب ایک مدت کے بعد امریکہ سے لوٹے اور اپنے تمام ہی عزیز واقارب دوست احباب سے ملاقات کی۔ ملاقات کے ساتھ ساتھ حسب توفیق تحفہ تحائف سے بھی نوازا، البتہ اپنے ایک دیرینہ عزیز کو تحفہ تو سردست پیش نہیں کیا، اس خواہش کا اظہار بڑی احتیاط کے ساتھ ضرور کیا کہ 'میں آپ کو ایک عمدہ سی شیروانی پہناؤں، ایسی میری ایک دیرینہ خواہش ہے۔...آپ کی عنایت ہوگی جو آپ میری اس پیش کش کو قبول کر لیں۔'

محبوب صاحب نے کہا، 'چلئے، ٹھیک ہے جہاں آپ کے بیش بہا احسانات ہیں، وہاں ایک یہ اور سہی۔'

محسن صاحب نے کپڑا اور سلائی کی ایک خاصی بڑی رقم اپنے ایک دیرینہ دوست کو بھیج دی۔ اس ہدایت کے ساتھ کہ 'آپ اپنی خصوصی اور ذاتی توجہ سے یہ کپڑا ایک ایسے ٹیلر ماسٹر کو دیں جو فن شیروانی میں یکتائے روزگار ہو۔...سلائی کی اجرت اگر کم لگ رہی ہو تو مجھ کو فوراً ہی مطلع کریں۔ میں ان شاء اللہ جلد ہی مطلوبہ رقم روانہ کر دوں گا۔ شیروانی عید سے کافی پہلے تیار کرا دیں، یہ خیال رہے۔'

شیروانی کا کپڑا 'دلبر اینڈ سنس' شہر کے مشہور اور کہنہ مشق ٹیلر ماسٹر کو دے دیا گیا۔ ساتھ ہی شیروانی کی اجرت کی نصف رقم بطور ایڈوانس بھی ادا کر دی گئی تاکہ ٹیلر ماسٹر خصوصی توجہ سے وقت سے قبل ہی شیروانی تیار کر دیں تاکہ عید پر پہنی جا سکے۔

ٹیلر ماسٹر صاحب نے محبوب صاحب کا پورا پورا جائزہ لیا اور ہر پوائنٹ کو اپنی نوٹ بک میں نوٹ کرتے چلے گئے۔ چند دن کے بعد یہ خوش خبری دی، 'شیروانی تیار ہے۔ آ کر لیجیے اور بتائیں، آپ آ رہے ہیں کہ ہم لے کر آئیں؟'

ٹیلر ماسٹر کو زحمت نہ دے کر محبوب صاحب خود ہی چلے گئے اور جب شیروانی پہن کر دیکھی گئی تو حیرت کی انتہا نہ رہی۔ شیروانی چھوٹی ہی نہیں، خاصی چھوٹی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ کسی اور ہی شخص کے سائز کی تیار ہو گئی ہے۔ شیروانی کو کھینچ تان کر کسی صورت میں پہنا یا پر کچھ حاصل نہیں ہوا۔

ٹیلر ماسٹر محسن کے دوست اور خود محبوب صاحب سخت شش و پنج پڑ گئے۔ یہ آخر کیا ہوا؟ ایسا تجربہ کا ٹیلر ماسٹر اور اتنی بڑی خامی۔ الاماں الحفیظ!

شیروانی ٹیلر ماسٹر صاحب نے رکھ لی لیکن وہ اسے درست نہ کر سکے اور پھر ایک دن محبوب صاحب کے یہاں ڈال گئے۔ بعدہ ایک دن محبوب صاحب نے ٹیلر ماسٹر صاحب سے کہا، 'چلو، جو ہوا سو ہوا۔ آپ ہمارے بچے ہوئے کپڑے میں سے ایک ٹوپی ہی سی دیں۔'

ماسٹر صاحب اپنی سیٹ سے اٹھے اور فیتہ سر پر گھما کر سائز لے لیا اور ایک دو دن کے بعد ٹوپی سی دی۔

اب اس کو سوئے اتفاق نہ کہیے تو کیا کہیے، ٹوپی پہنی تو پوری آدھا انچ چھوٹی تھی۔ ماسٹر صاحب کی دوکان پر سب ہی منہ تک رہے تھے۔ یہ کیا ہوا؟ نہ تو شیروانی سائز کی سلی اور نہ ٹوپی ہی۔... نہ خدا ہی ملا، نہ وصال صنم۔ بادل نخواستہ ٹوپی بھی لا کر شیروانی کے ساتھ رکھ دی۔ کیا کہیں کس سے کہیں وقت اتنا نہیں تھا کہ دوسری شیروانی سل سکے اور ماسٹر صاحب نے بھی آنکھیں پھیر لی تھیں۔ ان کو پوری مزدوری مل چکی تھی۔ ماسٹر صاحب کو کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ محسن صاحب کو البتہ ان کے دوست ہی نے نہیں، محبوب صاحب نے بھی مطلع کر دیا، 'مجھ کو شیروانی الحمدللہ مل گئی۔'

☆☆☆

حافظ اجمل اپنی ماں سے ضد کر رہا تھا، 'ماں، میرا حفظ پورا ہو گیا ہے۔ میں ایک بڑی مسجد میں پہلی محراب سنا بھی رہا ہوں۔ حفظ کے بعد میری یہ پہلی عید ہوگی۔...ماں، میں عید پر ایک بہت اچھی سی شیروانی پہننا چاہتا ہوں۔...ماں، میری یہ خواہش پوری کر دے۔'

جیسے جیسے عید قریب آ رہی تھی، اجمل کا تقاضہ اور ضد بڑھتی جا رہی تھی اور کبھی کبھی وہ آنسوؤں کو پیتے ہوئے مصنوعی غصے سے اجمل کو ڈانٹ دیتی 'بیٹے تیرا باپ ہوتا تو تیری یہ ضد شاید پوری ہو جاتی یا تیری یہ ضد ہی کوئی چھوٹی موٹی ہوتی جسے میں پوری کر سکتی۔...بیٹا، یہ تو پہاڑ سے جوئے شیر لانا ہے۔...کہاں ہم اور کہاں یہ شیروانی۔...بیٹا، تو مجھ سے ایسی ضدیں مت کیا کر۔ نہ جانے کس طرح دو وقت کھانا وہ بھی کبھی پورا کبھی ادھورا مل رہا ہے اور اس پر تو شیروانی کی رٹ لگا رہا ہے۔...ذرا سوچ تو کیا کہہ رہا ہے۔'

اجمل ماں کے دلائل پر یہی کہہ دیتا، 'میری اچھی ماں...میں شیروانی ضرور پہنوں گا۔ تم ذرا سی کوشش تو کرو۔'

☆☆☆

آج محبوب صاحب نے سوچا، کیوں نہ آج تراویح شیر افگن والی مسجد میں پڑھی جائے۔ وہاں بھورو کا بیٹا حافظ پہلی محراب بھی سنا رہا ہے اور مجھ سے کئی بار تقاضہ بھی کر چکا ہے، 'چچا میں نے حفظ مکمل کر لیا اور مسجد شیر افگن میں تراویح میں ہی پڑھا رہا ہوں۔... یہ میری بالکل پہلی محراب ہے۔ آپ آئیں گے تو مجھے بہت اچھا لگے گا۔'

مسجد گو کافی دور تھی لیکن محبوب صاحب وہاں وقت پر پہنچ گئے۔

نماز کے بعد اجمل نے وہاں تراویح پڑھائی۔ بہت اطمینان سے صاف ستھرے انداز میں قرآن کریم پڑھا۔ تراویح کے بعد محبوب صاحب نے اجمل بیٹے کو سینے سے لگا لیا۔ کچھ انعام بھی دیا اور کہا، 'چلو، میرے ساتھ ابھی گھر چلو۔...میں وہاں تم کو ایک خاص انعام اور دوں گا۔'

نماز کے بعد محبوب اجمل کو گھر لے گئے اور اپنے کمرے میں لے جا کر اپنی اٹیچی سے شیروانی نکال کر کہا، 'لو، یہ پہن لو دکھاؤ۔...یہ تمہارا اصل انعام۔...پرسوں کو عید ہے۔ تمہیں یہ پہن کر عیدگاہ جانا ہے۔'

اجمل نے شیروانی پہنی۔ حیرت کی انتہا نہ رہی۔ شیروانی کمال درجے کی فٹ آئی۔ ٹوپی اڑھائی۔ وہ بھی بالکل صحیح۔ محبوب صاحب کا دل بھر آیا، 'اے اللہ، تو نے کس طرح اس شیروانی کو اس کے حقیقی حقدار تک پہنچایا۔'

محبوب صاحب نے کہا، 'بیٹے، اسے اتارو نہیں۔...چلو، تمہاری ماں کے پاس چلتے ہیں ایسے ہی پہنے پہنے۔'

ماں اپنے کمرے میں بیٹے کا بڑی بے تابی سے انتظار کر رہی تھی۔ تراویح کے بعد اجمل کو گھر آنے میں آج خاصی دیر ہو گئی تھی۔ جیسے ہی بیٹا ماں کے پاس پہنچا، اس سے لپٹ گیا، 'لو ماں، یہ دیکھو۔...میری شیروانی۔ چچا محبوب نے پہنائی ہے۔ قرآن کا انعام دیا ہے۔'

ماں بہت دیر تک اپنے بیٹے کو سینے سے لگائے رہی۔ محبوب صاحب سے وہ بڑی مشکل سے کہہ سکی، 'بیٹھ جائیے۔' اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔ وہ بیٹے کے کبھی سر پر ہاتھ پھیر رہی تھی اور کبھی شیروانی پر۔ ■

یگانہ چنگیزی

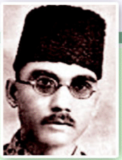

مقبول شاعر
مشہور غزل

سلامت رہیں دل میں گھر کرنے والے
اس اجڑے مکاں میں بسر کرنے والے

گلے پر چھری کیوں نہیں پھیر دیتے
اسیروں کو بے بال و پر کرنے والے

اندھیرے اجالے کہیں تو ملیں گے
وطن سے ہمیں در بدر کرنے والے

گریباں میں منہ ڈال کر خود تو دیکھیں
برائی پہ میری نظر کرنے والے

اس آئینہ خانے میں کیا سر اٹھاتے
حقیقت پر اپنی نظر کرنے والے

بہار دو روزہ سے دل کیا بہلتا
خبر کر چکے تھے خبر کرنے والے

کھڑے ہیں دوراہے پہ دیر و حرم کے
تری جستجو میں سفر کرنے والے

سر شام گل ہو گئی شمع بالیں
سلامت ہیں اب تک سحر کرنے والے

کجا صحن عالم کجا کنج مرقد
بسر کر رہے ہیں بسر کرنے والے

یگانہ وہی فاتح لکھنؤ ہیں
دل سنگ و آہن میں گھر کرنے والے

پیر و مرشد

رشید پروینؔ سوپور

> 'نہیں نہیں جانا ضروری ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مال زیادہ تھا یا کم۔' میں نے عمہ صاب کی بات بیچ میں ہی کاٹ کر کہا اور دوسرے دکانداروں کے ساتھ فوراً ہی پولیس اسٹیشن کی طرف روانہ ہوا۔ میرے ساتھ اور بھی کچھ دکاندار تھے۔

عمہ کریانہ شاید ایک دہائی سے اس چھوٹے بازار کا چھوٹا سا دکاندار ہے، کریانہ بیچتا ہے۔ لیکن اس کے خریدار بھی کم ہی ہیں، کیونکہ عمہ کریانہ کے مقابلے میں دوسرے دکاندار سستے داموں پر اپنا مال بیچ سکتے ہیں اور بیچتے رہتے ہیں۔ اس طرح اس کی سیل بھی کم ہی ہے اور وہی گنے چنے خریدار اس سے اپنی ضرورت کی اشیا خریدتے ہیں جنہیں معلوم ہے کہ عمہ کریانہ ملاوٹ شدہ کوئی بھی چیز اپنی دکان پر نہیں رکھتا اور بس وہی اس کے خریدار ہیں جن کا معدہ اب بھی شدھ مصالحہ جات ہضم کر سکنے کی حالت میں ہے۔ وہ ہلدی خود پسواتا ہے، مرچوں کا پاؤڈر اپنی نگرانی میں تیار کرواتا ہے، اس طرح چینی اور مصالحے بھی اپنے حساب سے ہی کاٹ چھانٹ کے خریدتا ہے جو اسے بھی بڑی مشکل سے ملتے ہیں اور کبھی مہینوں اس کی دکان ان اشیا سے خالی ہی رہ جاتی ہے۔

میں اس کا مستقل گاہک ہی نہیں بلکہ ایک طرح سے اس کا زبردست عقیدت مند ہوں۔ پارسا ہے لیکن پارسائی کا کوئی رنگ وروپ اس میں نظر نہیں آتا۔ میں اسے درویش سمجھتا ہوں لیکن اس میں کوئی درویشانہ رنگ ڈھنگ نہیں، کوئی دکھاوا نہیں اور ظاہر ہے کہ گھر کی حالت بھی کوئی ایسی نہیں، مشکل سے ہی دو وقت کی روٹی چلتی ہے۔ میں اس سے اکثر کہتا، 'عمہ صاب آپ کے بعد جنہوں نے یہاں دکانداری شروع کی، وہ آج کئی کئی دکانوں کے مالک ہیں، بنگلے ہیں، گاڑیوں میں چلتے پھرتے ہیں اور آپ...'

عمہ صاب بس مسکرا کر رہ جاتا۔ پھر بڑی آہستگی اور بڑے نرم لہجے میں جواب دیتا، 'گھر چل تو رہا ہے۔...بس شکر ہے اللہ کا۔'

میرے اب ان کے ساتھ گھریلو قسم کے مراسم بھی ہیں، اس لیے آنا جانا لگا ہی رہتا ہے۔ اس گھر میں کچھ بھی نہ ہوتے ہوئے بھی وہ سب تھا جو ہمارے گھروں میں نہیں۔ سکون، طمانیت اور قلبی و ذہنی ٹھہراؤ۔ میں نے انہیں کبھی انتشار اور اضطراب میں نہیں دیکھا، اس لیے کبھی کبھی مجھے ان پر اور اس گھر پر رشک آ جاتا۔

ایک صبح مجھے عمہ صاب کا فون آیا۔ بس اتنا کہا تھا کہ 'میرے پاس آؤ'، میں فوراً دکان کی طرف روانہ ہوا۔ یہاں اور بھی دس بارہ دکاندار کھڑے تھے۔ پتہ چلا کہ آج رات عمہ صاب کی دکان کا تالا توڑا گیا ہے اور جو کچھ بھی یہاں تھا، سب لوٹ لیا گیا ہے۔

'یہ کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟' میں نے پوچھا اور میرے لہجے میں تشویش کچھ زیادہ ہی تھی۔ شاید میں صدمے سے دوچار تھا، اس لیے کہ عمہ صاب ویسے بھی کوئی بڑا دکاندار یا سرمایہ دار نہ تھا۔ اس کی ساری پونجی ہی یہ چھوٹی سی دکان تھی۔

'کیسے ہوا؟...تالا توڑا گیا ہے اور کیوں ہوا؟... اس کا جواب وہی دے سکتا ہے جس نے چوری کی ہے۔' عمہ صاب کے لہجے میں کوئی ارتعاش اور اضطراب نہیں تھا۔ لہجہ بالکل ویسا ہی تھا، نرم اور ہونٹوں کی مسکراہٹ بھی وہی تھی جو اکثر اس کے ہونٹوں پر رہا کرتی تھی۔ پھر خود ہی مجھے ایک طرف لے جا کر کہا، 'دکاندار مجھے پولیس اسٹیشن تک جانے اور رپورٹ کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ میں اس کا قائل نہیں اور میرا مال بھی کوئی اتنا زیادہ نہیں تھا۔'

'نہیں نہیں جانا ضروری ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مال زیادہ تھا یا کم۔' میں نے عمہ صاب کی بات بیچ میں ہی کاٹ کر کہا اور دوسرے دکانداروں کے ساتھ فوراً ہی پولیس اسٹیشن کی طرف روانہ ہوا۔ میرے ساتھ اور بھی کچھ دکاندار تھے۔

عمہ صاب ہم سب کے پیچھے پیچھے اندر داخل ہوا۔ منشی جی کے پاس جانے کی ہدایت ہوئی۔ میں خوش ہوا کہ یہاں دو چار پولیس مین داڑھی والے بھی تھے۔ چہرے پر اچھی خاصی رونق بھی تھی اور سب سے زیادہ خوشی مجھے منشی جی کو دیکھ کر ہوئی۔ کیا نورانی چہرہ تھا، کندھے پر وہ مخصوص ڈیڑھ گز کا چیک دار کپڑا بھی تھا جو نمازی ہونے کا اعلان کرتا ہے۔

'دیکھئے صاحب، میرے پاس کاغذ نہیں اور پین بھی کہیں نظر نہیں آتا۔' منشی شروع ہوا، 'نہیں نہیں، جناب۔ میں کاغذ کا انتظام کر کے ہی آیا ہوں۔' میں نے بات سمجھتے ہوئے فوراً ہی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اب منشی جی نے اپنے سامنے رکھے ہوئے صندوق سے کاغذ اور بال پین نکال کر لکھنا شروع کیا۔ میرے دائیں طرف بیٹھے ہوئے ایک جواں سال دکاندار نے عمہ کو پیچھے کر کے لکھانا شروع کیا...ہلدی دو بوری...

عمہ نے کچھ کہنے کے لیے زباں کھولنا ہی چاہی تھی کہ میں نے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ مرچ ایک بوری، کھانڈ ایک بوری اور اس طرح سے میرے اس جواں سال دکاندار نے بڑی محبت اور احترام کا اظہار کرتے ہوئے چوری کے مال کی تفصیل کچھ زیادہ ہی لکھائی جو حقیقت نہیں تھی۔ اب منشی جی نے اپنا سر اٹھا کر عمہ کریانہ کو نزدیک آنے کا اشارہ کیا۔ ہنس پڑا۔ پھر ہنستے ہنستے ہی کہا، 'یہ بچے ہیں۔...نہیں سمجھتے کہ سچ ہی بولنا چاہیے۔ یہ تفصیل درست نہیں۔ عمہ صاب سنا ہے، بڑے پارسا ہو۔...درویش ہو لیکن اب اتنے بڑے درویش بھی تو نہیں کہ چوروں کو چوری سے ہی روک دو۔ تمہارے مال کی تفصیل میں نے یہ لکھی ہے جو چوری ہوا ہے۔ کہیں غلط ہو تو ٹوک دینا۔' منشی شروع ہوئے، 'کھانڈ بیس کلو'...

عمہ صاب نے اقرار میں سر ہلایا۔

'ہلدی آدھی بوری، مرچ شدھ پندرہ کلو، چائے تین قسم آدھ آدھ بوری، نمک ایک بوری دکان میں ہے چوروں نے وہیں چھوڑ دی، بادام تیس کلو، کشمش پانچ کلو..' اور عمہ صاب خاموش سر ہلاتا گیا۔ ہم بھی حیراں اور متحیر کہ منشی کو اصل تفصیل معلوم ہوئی تو کیسے؟

'میں نے درست لکھا ہے یا نہیں؟' آخر منشی جی نے عمہ صاب کی طرف فاتحانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا، 'جناب یہ بالکل صحیح اور درست تفصیل ہے۔' عمہ صاب کے لہجے میں تحیر اور تجسس کے ملے جلے تاثرات صاف جھلک رہے تھے۔

'ٹھیک ہے...تحقیقات ہوگی۔...اور کہیں سے چور پکڑا گیا تو مال واپس کیا جائے گا۔'

سب واپس جانے کے لیے مڑے، مجھ سے رہا نہیں گیا، پوچھ ہی بیٹھا، 'جناب عالی۔ آپ کو یہ تفصیل کیسے معلوم ہوئی؟...میں حیران ہوں۔'

'شہر میں ہم سے بڑے پیر و مرشد ہیں، سبحان اللہ۔...ہمارے عقیدت مند پہلے ہمیں ہی تو اپنا حال احوال سناتے ہیں۔' منشی جی نے اپنے چیک دار کپڑے سے چہرے کی نورانی داڑھی صاف کی اور ہنس پڑے۔ ■

---

3 غزلیں

محبت نے جب دل کو پاگل کیا
تو اشکوں نے آنکھوں کو جل تھل کیا

جو گھر میرا برسوں سے ویران تھا
پرندوں نے اس گھر کو جنگل کیا

گھنی چھاؤں میں کچھ تو راحت ملے
ہری گھاس کو رب نے مخمل کیا

جو سانپوں کی اک بھیڑ تھی سامنے
تو اپنا بدن میں نے صندل کیا

ترے دم سے زندہ ہے مسلمؔ نوازؔ
دعا میں اسے جب سے شامل کیا

مسلمؔ نواز
12/3/H/1,Patwar Bagan Lane
Kolkata-700 009

جب کہکشاں کو میں نے گلے سے لگا لیا
تو جگنوؤں نے ہنس کے مرا دل چرا لیا

اس نے دیا تھا نام زلیخا کا اس لیے
ہم نے ہر ایک درد کو یوسف بنا لیا

گنگ و جمن سے پیار تھا ہم کو بس اس لیے
آنچل کو اتحاد کا پرچم بنا لیا

میری اَنا کا مان بھی رکھا ہے اس نے یوں
شبنم بنا لیا، کبھی شعلہ بنا لیا

جس عیب کو میں ساری عمر کوستی رہی
اس نے ہی صابرینؔ کا دامن بچا لیا

صابرینؔ کوثر
Rohini, Sector-24
Delhi-110085

گھومتے رہتے ہو، کہتے ہو کہ فرصت ہی نہیں
ایسا لگتا ہے تمہیں مجھ سے محبت ہی نہیں

لوٹ کر آؤ گے تم شام ڈھلے افسردہ
ان دنوں پیار کی بازار میں قیمت ہی نہیں

خوب رہتے ہو غلط کاری میں دن رات مگن
اور کہتے ہو کہ بیوپار میں برکت ہی نہیں

اس کی عزت میں بھلا کیسے اضافہ ہوگا
جس کے دل میں کسی انسان کی عزت ہی نہیں

جس کی آنکھوں میں چکا چوند ہے پیسے کی نفیسؔ
اس کی آنکھوں میں مرے یار مروت ہی نہیں

نفیسؔ وارثی
Deehpur, Kheri Town
District Kheri-262702